OPEN ACCESS
Journal of Islamic & Religious Studies
ISSN (Online): 2519-7118
ISSN (Print): 2518-5330
www.uoh.edu.pk/jirs

JIRS, Vol.:2, Issue: 2, 2017
DOI: 10.12816/0041888, PP: 33-47

طبّی خدمات اور سہولیات کے تحفظ کی ضرورت : اسلامی شریعت کے چند رہنما اصول

Protection of Medical Personnel and Health Care Facilities: A Few Guiding Principles of Islamic Law

Dr. Muḥammad Mushtaq Aḥmad[1]
Chairman/ Associate Professor Department of Law
International Islamic University, Isalamabad, Paksitan

Abstract

Muslims scholars in principle agree that non-combatants are protected and that they lose protection when they directly participate in hostilities. However, the issues of defining the scope of non-combatant and that of direct participation remain contentious which resultantly cause confusions about the protection of medical personnel. The present paper digs out principles of Islamic law relating to the protection of medical personnel during armed conflict and for this purpose focuses on a doctor who works for humanity and who provides medical assistance to all and gives priority on the basis of need only. It tries to find answers to questions such as: is the doctor muqatil (combatant)? Does the act of providing medical assistance to the enemy combatants make the doctor liable for direct participation in hostilities? Does Islamic law distinguish between the legal consequences of direct and indirect participation in hostilities? After exploring the rich Islamic legal literature on the protection of medical personnel during armed conflict, the paper also examines the legal consequences of abuse of the protected status.

***Keywords**: Combatants, Medical Peronnel, Islamic Law, Health Care, ICRC*

تمہید

الحمد لله ، و الصلاة و السلام علي رسول الله ، و علي آله و اصحابه و من والاه -

بین الاقوامی ریڈ کراس کمیٹی نے Health Care in Danger کے عنوان سے جو آگاہی مہم شروع کی ہے اس کے مختلف پہلو ہیں۔ زیر نظر مقالے میں اس موضوع کے ایک خاص پہلو کے متعلق اسلامی قانون کے اہم اصولوں پر گفتگو ہوگی۔ تاہم مقالے کے موضوع کو اس کے مخصوص سیاق و سباق میں سمجھنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے Health Care in Danger کے عمومی تصور پر مختصر بحث کی جائے۔

CC BY

Health Care in Danger کے عنوان کے تحت کئی اہم مسائل آتے ہیں:[2]

1. عام شہریوں کے علاوہ زخمی ہونے، بیمار پڑ جانے یا کسی اور وجہ سے جنگ سے الگ ہونے والے مقاتلین کو لاحق خطرہ؛ جیسے زخمیوں پر حملہ یا ان تک طبّی سہولیات کی فراہمی میں رکاوٹ۔
2. اسی خطرے کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ بعض اوقات طبّی سہولیات، جیسے اسپتال یا ایمبولینس، پر حملہ کر دیا جاتا ہے؛
3. اس سے بھی زیادہ اہم پہلو یہ ہے کہ بعض اوقات طبّی عملے اور امداد فراہم کرنے والے رضاکاروں کو حملے کا نشانہ بنا دیا جاتا ہے؛
4. طبّی عملے کو خطرہ بعض اوقات اس صورت میں پیدا ہوتا ہے جب وہ دشمن کی قید میں آجاتے ہیں اور وہاں ان سے غیر انسانی سلوک کیا جاتا ہے؛
5. بعض حلقوں کی جانب سے یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ مخالف فریق کو کسی بھی نوعیت کی بلا واسطہ یا بالواسطہ مدد فراہم کرنے والے تمام افراد جائز ہدف ہیں۔ اس وسیع مفہوم کی رو سے طبّی عملہ تو ایک طرف، ٹیکس ادا کرنے والے عام شہری بھی خطرے سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ بین الاقوامی قانون کی رو سے اصول یہ ہے کہ جنگ میں صرف انہی لوگوں کو جائز ہدف قرار دیا جاسکتا ہے جو جنگ میں براہِ راست حصہ لیں۔ اس لیے اس سوال پر بحث ضروری ہو جاتی ہے کہ "جنگ میں براہ راست حصہ لینے" (Direct Participation in Hostilities) سے مراد کیا ہے؟ کیا طبّی امداد کی فراہمی کو بھی جنگ میں براہ راست حصہ لینے کے مترادف قرار دیا جاسکتا ہے؟
6. بعض اوقات طبّی عملے اور سہولیات کو خطرہ ان کے "ناجائز استعمال" کی وجہ سے لاحق ہو جاتا ہے؛ جیسے اسپتال کو ہتھیاروں کے ذخیرے کے طور پر استعمال کرنا، یا ایمبولینس کو حملے کے مقاصد کے لیے استعمال کرنا، یا ڈاکٹر کے روپ میں دشمن تک پہنچ کر اس پر حملہ کرنا۔ بین الاقوامی قانون کی رو سے یہ سارے کام "غدر" (Perfidy) کے ضمن میں آتے ہیں اور اس وجہ سے جنگی جرائم میں شمار کیے جاتے ہیں۔ تاہم بہت سے لوگ اسے خدعہ یا جنگی چال (Ruse of War) قرار دیتے ہیں۔ اس لیے غدر اور خدعہ پر بحث بھی ضروری ہو جاتی ہے۔

Health Care in Danger کے عنوان کے تحت ان کے علاوہ بھی بعض دیگر مسائل آتے ہیں لیکن "امہات المسائل" کی حیثیت غالباً انہی کو حاصل ہے۔ ان مسائل پر اسلامی قانون کی رو سے بحث کے لیے زیر نظر مقالے کو پانچ فصول میں تقسیم کیا گیا ہے:

اس مقالہ میں پہلے میں غیر مقاتلین کے تحفظ کے بارے میں اسلامی قانون کے بنیادی اصولوں کی وضاحت کی جائے گی، جو تمام دیگر مباحث کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں بنیادی مفروضہ یہ ہے کہ طبّی عملہ اور امدادی کارکن غیر مقاتلین ہیں اور اسی وجہ سے وہ اس تحفظ کے مستحق ہیں جو غیر مقاتلین کے لیے اسلامی قانون نے فراہم کی ہے۔

اس مقالہ کے دوسرے حصے میں "جنگ میں براہ راست حصہ لینے" کے تصور پر اسلامی قانون کی رو سے تفصیلی بحث کی

جائے گی۔ تیسرے حصے میں خاص طبّی عملے اور امدادی کارکنوں کے تحفظ سے متعلق اسلامی قانون کے اہم اصولوں کی وضاحت کی جائے گی۔ جب کہ چوتھے حصے میں غدر اور خدعہ کے تصورات کو ایک دوسرے سے ممیّز کرنے کے لیے فقہی جزئیات اور قواعد پیش کیے جائیں گے۔ اور آخر میں ان بعض جزئیات کا ذکر کیا جائے گا جن کا تعلق جنگی قیدی بن جانے والے مقاتلین اور طبّی عملے سے ہے۔

غیر مقاتلین کا تحفظ اسلامی قانون کی روشنی میں

مسلمان اہل علم کا اس بات پر اصولاً اتفاق ہے کہ غیر مقاتلین کو جنگ میں نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔ اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر غیر مقاتلین جنگ میں حصہ لیں تو ان کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے، لیکن عصر حاضر کے تناظر میں چند امور ایسے ہیں جن پر اختلاف پایاجاتا ہے اور جو مزید غور و فکر کے متقاضی ہیں۔[3]

اولاً : غیر مقاتلین میں کون لوگ شامل ہیں؟ خواتین اور بچوں کو بالعموم غیر مقاتلین میں شامل کیاجاتا ہے لیکن وہ مرد جو فوج کا حصہ نہ ہوں کیا ان کو بھی غیر مقاتل کہاجائے گا؟ پرانے زمانے میں جوان مرد کو بالفعل یا بالقوۃ جنگجو سمجھا جاتا تھا اور عورتوں کو اصلاً غیر مقاتل ہی سمجھا جاتا تھا لیکن کیا یہ بات عصر حاضر کے تناظر میں بھی صحیح ہے؟ کیا موجودہ حالات میں "غیر فوجی" کو ہی غیر مقاتل سمجھا جائے گا؟

ثانیاً : بہت سے اہل علم نے شہری (Civilian)اور غیر مقاتل کو مترادف مانا ہے لیکن ایک رائے یہ بھی پیش کی گئی ہے کہ چونکہ شہریوں کے ٹیکسوں سے فوج کے اخراجات پورے کیے جاتے ہیں اس لیے بالواسطہ ہی سہی شہری بھی جنگ میں حصہ لیتے ہیں اس لیے ہر ٹیکس دینے والا (Tax-payer) مقاتل تصور ہوگا۔ اس وسیع تصور کی رو سے طبّی عملے، بالخصوص فوجی ڈاکٹرز اور نرسز، کو بدرجۂ اولی مقاتلین کہاجائے گا کیونکہ عام شہریوں کی بہ نسبت فوج کے لیے ان کی معاونت زیادہ واضح ہوتی ہے۔

بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی رو سے "غیر مقاتل" (Non-Combatant) اور "شہری" یا "غیر فوجی" (*Civilian*) تقریباً مترادف اصطلاحات ہیں۔ اس قانون کی رو سے باقاعدہ فوجی یا جنگجو تو مقاتِل ہیں، الا یہ کہ وہ کسی وجہ سے جنگ سے باہر ہوجائیں؛ اور عام شہری، خواہ مرد ہوں یا عورتیں، غیر مقاتل ہیں، الا یہ کہ وہ جنگ میں براہ راست حصہ لیں۔[4]

اس کے برعکس فقہا کے نصوص پر سرسری نظر ڈالنے سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک برسر جنگ قوم کا ہر عاقل بالغ مرد اصلاً مقاتل ہے، الا یہ کہ کسی اور سبب سے اسے مقاتل نہ سمجھا جائے؛ اور نا بالغ بچے اور عورتیں غیر مقاتلین ہیں ،الا یہ کہ وہ جنگ میں حصہ لیں۔

عورتوں کو اصلاً غیر مقاتلین میں شمار کرنے سے تو شاید اتنے بڑے مسائل پیدا نہیں ہوتے لیکن تمام مردوں کو اصلاً مقاتلین فرض کرنے سے بظاہر بڑے مسائل پیدا ہوسکتے ہیں۔ تاہم اگر اس اصول کا تفصیلی قانونی تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی اسلامی شریعت اور بین الاقوامی قانون میں توافق اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

مَردوں کو فقہا نے اس وجہ سے اصلاً مقاتلین میں شمار کیا کہ زمانۂ قدیم میں، جبکہ فقہا نے اسلامی قانون کے اصول اور جزئیات کا استخراج کیا، جنگوں میں بنیادی کردار مرد ہی ادا کرتے تھے اور کسی قوم کے تقریباً تمام ہی عاقل

بالغ مرد جنگ میں حصہ لیتے تھے۔ البتہ اس دور میں بھی اگر بعض حالات کی وجہ سے بعض مرد جنگ میں حصہ نہ لے پاتے تو فقہا ان کو مقاتلین میں شمار نہیں کرتے تھے۔ مثلاً فقہا نے ایک طرف یہ اصول طے کیا ہے کہ ہر مرد مقاتل ہے اور دوسری طرف یہ بھی قرار دیا ہے کہ دشمن کے علاقے میں داخل ہونے والے تاجر غنیمت میں حصہ لینے کے مستحق نہیں ہیں کیونکہ وہ قتال میں حصہ لینے کے لیے نہیں ، بلکہ تجارت کے لیے وہاں جاتے ہیں۔ پس وہ صرف اسی صورت میں غنیمت میں حصہ لینے کے مستحق ہوں گے جب وہ قتال میں باقاعدہ شرکت کریں۔ شمس الائمہ ابو بکر محمد بن ابی سہل السرخسی (م 483 ھ) اس حکم کے پیچھے کارفرما قانونی اصول کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: فانهم كانوا تجاراً قبل هذا، لا غزاةً۔ (کیونکہ وہ قتال میں حصہ لینے سے پہلے تاجر تھے، نہ کہ غازی۔)[5]

پس اصل قاعدہ یہ ہے کہ مقاتل اور غیر مقاتل کی حیثیت کا تعین کسی شخص کی جنس سے نہیں ،بلکہ اس کے قتال میں حصہ لینے یا نہ لینے سے ہوتا ہے۔

اس مسئلے کا تجزیہ ایک اور پہلو سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ غیر مقاتلین کی ممانعت کا حکم کہاں سے اخذ کیا گیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جنگوں میں عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔[6] اہل ظاہر قرار دیتے ہیں کہ اصلاً جنگ میں ہر غیر مسلم کا قتل جائز ہے، سوائے عورتوں اور بچوں کے۔ اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ سورۃ التوبۃ میں تمام مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ممانعت گویا قاعدے سے استثنا ہے۔[7] اس کے برعکس جمہور فقہا عورتوں اور بچوں کے علاوہ دیگر ایسے لوگوں کو بھی غیر مقاتلین میں شمار کرتے ہیں جو جنگ میں حصہ نہیں لیتے مثلاً شیخ فانی، خانقاہ میں باقی دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے راہب، کھیتوں میں کام کرنے والے کسان۔[8]

اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض دیگر احادیث میں ، جو متشدد روایت پسندوں کے نزدیک قابل قبول نہیں ہیں، ان لوگوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ نیز خلفائے راشدین کے فرامین اور احکامات میں بھی یہ استثناء ات مذکور ہیں۔[9]

سوال یہ ہے کہ اگر سورۃ التوبۃ کی آیت ۵ کے حکم فَاقْتُلُواْ الْمُشْرِكِيْنَ حَيثُ وَجَدتُّمُوهُمْ (پس مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی ان کو پاؤ) کو عام حکم مانا جائے تو ان احادیث اور خلفا کے فرامین نے اس عام کی تخصیص کیسے کردی؟ یہ سوال شافعی فقہا کے لیے اتنا اہم نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک عام ظنی الدلالۃ ہوتا ہے جس کی تخصیص خبر واحد اور قیاس کے ذریعے بھی ہوسکتی ہے۔ تاہم احناف کے نزدیک عام قطعی الدلالۃ ہوتا ہے اور اس کی پہلی تخصیص کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ پہلی تخصیص کے بعد احناف کے نزدیک بھی مزید تخصیص خبر واحد اور قیاس کے ذریعے ہوسکتی ہے کیونکہ "عام مخصوص منہ البعض" ان کے نزدیک بھی ظنی الدلالۃ ہوجاتا ہے۔[10]

یہاں اس عام حکم کی تخصیص اس آیت کریمہ کے معاً بعد آنے والی آیت نے کر دی ہے: وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّي يسْمَعَ كَلاَمَ اللّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَه (سورۃ التوبۃ، آیت ٦) (اگر ان مشرکین میں کوئی تم سے امان مانگے تو اسے امان دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے اس کے امان کی جگہ تک پہنچاؤ۔) اس آیت نے واضح کیا کہ ماسبق آیت میں لفظ "المشرکین" بظاہر عام ہے لیکن درحقیقت عام نہیں ہے، بلکہ اس سے ایک مخصوص گروہ مراد ہے کیونکہ مستامن کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ وہ مشرک ہو۔ گویا ماسبق آیت میں مذکور حکم کا یہ مطلب

نہیں ہے کہ "تمام مشرکین" کو قتل کرو۔ اب جب لفظ "المشرکین" عام نہیں رہا تو دیگر دلائل - احادیث مبارکہ، صحابہ کرام کے فیصلوں اور قیاس۔کے ذریعے اس بظاہر عام حکم کی مزید تخصیص ہوسکتی ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، راہبوں اور کسانوں کو اس حکم سے کیوں مستثنی کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہیں مستثنی کرنے کی وجہ وہی ہے جو مستامن کو مستثنی کرنے کی ہے۔ جیسے مستامن مسلمانوں سے لڑتا نہیں بلکہ ان سے امن کا معاہدہ کرتا ہے اسی طرح یہ لوگ بھی جنگ میں حصہ نہیں لیتے۔ بہ الفاظ دیگر، یہ لوگ "غیر مقاتلین" ہیں۔ یہ علت رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث مبارک سے براہ راست بھی معلوم ہوتی ہے۔ جب آپ نے میدان جنگ میں ایک خاتون کی لاش دیکھی تو اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ما کانت هذه فيمن يقاتل۔[11] (یہ تو لڑنے والوں میں نہیں تھی۔)

چنانچہ جن سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے وہ صرف وہ ہیں جن کو مقاتلین کہا جاسکے، اور جو غیر مقاتلین ہیں وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہوئے۔ البتہ غیر مقاتلین میں کوئی فرد اگر قتال میں حصہ لے تو اس پر حملہ جائز ہوجاتا ہے کیونکہ جس "علت" کی وجہ سے اس پر حملہ ناجائز تھا وہ علت معدوم ہوگئی، یا یوں کہیے کہ جس "علت" کی وجہ سے کسی پر حملہ کرنا جائز ہوجاتا ہے وہ علت اس میں اب پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اگر عورت جنگ میں حصہ لے تو اسے ہدف بنایا جاسکتا ہے کیونکہ اسے استثنا عورت ہونے کی وجہ سے نہیں دیا گیا تھا بلکہ غیر مقاتلہ ہونے کی وجہ سے دیا گیا تھا اور اب وہ غیر مقاتلہ نہیں رہی۔

پس اصل چیز جو دیکھنے کی ہے، اور جس پر حکم کے وجود اور عدم کا مدار ہے، وہ یہ ہے کہ کون جنگ میں حصہ لیتا ہے اور کون نہیں لیتا؟ اول الذکر کو مقاتل کہا جائے گا اور ثانی الذکر کو غیر مقاتل۔ چونکہ عصر حاضر میں جنگوں میں، ماسوائے استثنائی حالات کے، عام شہری حصہ نہیں لیتے اس لیے عام شہریوں کو غیر مقاتلین ہی کہا جائے گا جب تک وہ جنگ میں باقاعدہ حصہ نہ لیں۔

جنگ میں براہ راست حصہ لینے کا اصول

یہاں یہ سوال پیدا ہوجاتا ہے کہ "جنگ میں باقاعدہ حصہ لینے" سے کیا مراد ہے؟ بعض لوگوں کی جانب سے یہ رائے سامنے آئی ہے کہ چونکہ فوج کے اخراجات ان ٹیکسوں سے پورے کیے جاتے ہیں جو حکومت اپنے شہریوں پر لگاتی ہے اس لیے ہر وہ شخص مقاتل ہے جو حکومت کو ٹیکس ادا کرتا ہے کیونکہ اس طرح وہ مال کے ذریعے قتال میں حصہ لے رہا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے نزدیک وہ تمام دانشور، ماہرین اور اہل علم بھی مقاتل شمار ہوں گے جن کی آرا یا نظریات کسی بھی طور پر جنگ میں مد و معاون ہوں۔ ظاہر ہے کہ فوجیوں یا جنگجوؤں کو طبّی امداد فراہم کرنے والے لوگ تو اس تعریف کی رو سے بدرجۂ اولی مقاتلین شمار ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس رائے کو تسلیم کیا گیا تو پورے اسلامی آداب القتال کا حلیہ ہی تبدیل ہوجائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی جنگوں کے لیے سرمایے کی ضرورت ہوتی لیکن کیا آپ نے ہر اس شخص کو مقاتل قرار دیا جس نے جنگ کے لیے فنڈ میں ذرا سا بھی حصہ ڈالا ہو؟ ہر شخص جانتا ہے کہ غزوۂ بدر میں شکست کے بعد اہل مکہ کے ہر مرد و عورت نے بدلے کے لیے تیاری میں بھرپور حصہ لیا اور غزوۂ احد کے لیے باقاعدہ *Fund*

Raising ہوئی۔

خود قرآنِ کریم اس پر گواہ ہے: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ ينفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّواْ عَن سَبِيلِ اللّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ (سورۃ الانفال، آیت ۳۶) (کفر کرنے والے اپنا مال اس مقصد سے خرچ کررہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔ پس وہ اسے خرچ تو کرلیں گے، پھر یہ ان کے لیے سرمایۂ حسرت بنے گا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے۔) اس سے بھی آگے بڑھ کر مشرکین کی عورتیں اپنے مردوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے میدان جنگ میں بھی آئیں اور شعر اور نغمے گا گا کر مردوں کے جذبات کو برانگیختہ کرتی رہیں۔[12] اس کے باوجود بھی رسول اللہ ﷺ نے عورتوں پر حملہ کرنے سے منع فرمایا۔

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ جنگ صرف ہتھیاروں سے نہیں لڑی جاتی اور اس میں بہت سارے لوگ حصہ ڈالتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا شریعت نے مباشر اور متسبب میں فرق کیا ہے یا نہیں؟ پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر ایک سبب کے وجود میں آنے کے بعد نتیجہ نمودار ہونے سے پہلے درمیان میں ایک اور سبب طاری ہوجائے تو فعل کی نسبت کس کی طرف کی جائے گی؟ اگر ایک سبب کا کوئی نتیجہ برآمد ہو اور وہ نتیجہ ایک اور فعل کا سبب بنے تو یہ آخری فعل سببِ اول کی طرف منسوب ہوگا یا سببِ ثانی کی طرف؟ کیا فعل اور اثر کے درمیان رابطہ سببیہ (Causal Link) ثابت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اسباب کا یہ سلسلہ کہاں روکا جائے گا؟[13] کیا شہد کی مکھی کے باغ میں داخل ہونے کو اس بنا پر پروانے کے خونِ ناحق کا سبب قرار دیا جاسکتا ہے کہ نہ وہ باغ میں داخل ہوتی، نہ رس چوستی، نہ اس سے موم بنتا، نہ موم بتی وجود میں آتی، نہ موم بتی جلائی جاتی، نہ ہی پروانے اس پر نثار ہوتے؟

پس حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کا جنگ کی تیاری میں براہ راست حصہ ہو، جنہیں جنگ کا "متسبب" قرار دیا جاسکے، جن کے فعل اور جنگ کے درمیان رابطہ سببیہ ثابت کیا جاسکے، جن کے فعل اور جنگ کے درمیان کوئی اور قوی سبب طاری نہ ہوا ہو، ان کو یقینا جنگ کے لیے ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے خواہ انہوں نے باقاعدہ ہتھیار نہ اٹھائے ہوں۔ کعب بن الاشرف کو مقاتل قرار دیا گیا تو محض اس وجہ سے نہیں کہ اس نے غزوۂ بدر میں قریش کے مقتولین کا مرثیہ کہا تھا، بلکہ دراصل اس نے اپنی اس شاعری اورخطابت کے زور پر مشرکین مکہ کو رسول اللہ ﷺ پر حملہ کرنے کے لیے باقاعدہ مہم چلائی تھی اور جنگ کی منصوبہ بندی میں حصہ لیا تھا۔[14] نیز اس نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کی تھیں جو نص قرآنی کے بموجب "طعن فی الدین" ہونے کے سبب سے قتال کی علت میں شامل ہے۔[15] اسی سبب سے ابو عزہ شاعر کو سزائے موت سنائی گئی کہ وہ قریہ قریہ جا کر اپنے اشعار کے ذریعے لوگوں کو جنگ کے لیے اکٹھا کرتا رہا، اور ساتھ ہی وہ رسول اللہ ﷺ کے ہجو میں شعر کہتا تھا۔[16] اسی طرح عمر رسیدہ درید ابن الصمہ کو مقاتل شمار کیا گیا کیونکہ اس نے جنگ کی منصوبہ بندی میں باقاعدہ حصہ لیا تھا اور جنگ کی ابتدا میں مسلمانوں کو جو سخت جانی نقصان ہوا اس میں درید کے مشوروں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔[17]

پس مقاتلین میں کچھ تو وہ لوگ ہیں جن کو "مباشر" کی حیثیت حاصل ہے، یعنی جنگجو یا فوجی، اور کچھ وہ ہوتے ہیں جن کو "متسبب" کی حیثیت حاصل ہے۔ اس ثانی الذکر گروہ میں صرف انہی کو شامل کیا جاسکتا ہے جن پر جنگ کی براہ راست ذمہ داری ڈالی جاسکے۔ یہی اصول بین الاقوامی قانون کا بھی ہے۔ مثال کے طور پر ریاست کا سربراہ

جنگ میں فوجی کے طور پر حصہ نہیں لیتا لیکن اس کے باوجود جنگ شروع کرنے اور جنگ کے دوران میں کیے جانے والے بعض کاموں کے لیے اسے ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے اور بعض کے لیے ذمہ داری اس پر نہیں ڈالی جاتی۔[18]

طبّی عملے کے تحفظ سے متعلق اسلامی قانون کے قواعد

زمانۂ قدیم کی جنگوں میں بھی زخمیوں اور بیماروں کے علاج معالجے کا کچھ نہ کچھ بندوبست ہوتا تھا اور عام طور پر زخمیوں کی مرہم پٹی اور انہیں دوا یا پانی پلانے کا کام خواتین کیا کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے غزوات اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جنگوں میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا طبّی خدمات کی فراہمی کو جنگ میں براہ راست حصہ لینے کے مترادف قرار دیا جاسکتا ہے؟ بہ الفاظِ دیگر، کیا طبّی امداد فراہم کرنے والوں کو مقاتل مان کر حملے کے لیے جائز ہدف قرار دیا جاسکتا ہے؟

امام محمد بن الحسن الشیبانی (م 189ھ) کا پیش کردہ یہ جزئیہ اس سلسلے میں بنیادی اصول فراہم کرتا ہے: فأما العجائز ، فلا بأس بأن يخرجن مع الصوائف لمداواة الجرحى - جاء عن أم عطية قالت: خرجت مع رسول الله ﷺ في سبع غزوات ؛ فكنت أطبخ لهم ، وأداوي الجرحى ، وأسقيهم الماء۔[19] (جہاں تک بوڑھی عورتوں کا تعلق ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ وہ بڑے لشکروں میں زخمیوں کو طبّی امداد کی فراہمی کے لیے جائیں۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات جنگوں میں شریک ہوئی اور میں ان کے لیے کھانا پکاتی، زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی اور انہیں پانی پلاتی۔) اس کے بعد امام شیبانی فرماتے ہیں: ولا يعجبني إن يباشرن القتال۔[20] (البتہ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ وہ لڑائی میں حصہ لیں۔)

اس سے معلوم ہوا کہ جنگ میں مقاتلین کو طبّی امداد فراہم کرنے، ان کے لیے کھانا تیار کرنے اور پانی پلانے کے اعمال براہِ راست میں جنگ میں حصہ لینے کے عمل (المباشرة بالقتال) سے یکسر مختلف ہیں۔

اس پر اس جزیئے کا اضافہ کیجیے کہ اسلامی قانون کی رو سے جنگ سے حاصل شدہ مالِ غنیمت میں حصہ صرف اسی کو ملتا تھا جس کا جنگ میں کچھ کردار ہوتا تھا۔ چنانچہ اوپر ہم نے ذکر کیا کہ دشمن کے علاقے میں تجارت کی غرض سے جانے والے تاجروں کو مالِ غنیمت میں حصہ نہیں ملتا تھا۔ تاہم اگر خواتین جنگ میں طبّی امداد فراہم کرتیں، یا کھانا بناتیں، یا اس طرح کے دیگر کام کرتیں تو ان اعمال پر انہیں مال غنیمت میں غیر مقدر حصہ (رضخ) ملتا تھا: ولا يسهم عندنا لصبي ، و لا يقاتلوا ؛ ويرضخ لمن سواهم ، إذا قاتلوا ؛ وللنساء ، إذا خرجن لمداواة الجرحى والطبخ والخبز للغزاة ۔[21] (ہمارے نزدیک بچے کے لیے غنیمت میں حصہ نہیں ہے، نہ ہی وہ لڑائی میں شریک ہوں؛ بچوں کے سوا دیگر غیر مقاتلین کو غیر مقررہ حصہ ملے گا بشرطیکہ وہ لڑائی میں حصہ لیں؛ جبکہ عورتوں کو غیر مقررہ حصہ اس وقت ملے گا جب وہ زخمیوں کی دیکھ بھال کریں اور جنگجوؤں کے لیے کھانا اور روٹی پکائیں۔)

یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ خواتین کے ماسوا دیگر غیر مقاتلین (جیسے تاجر یا غلام) کو مالِ غنیمت میں حصہ تبھی ملتا جب وہ جنگ میں براہِ راست حصہ لیتے (إذا قاتلوا)؛ جبکہ خواتین کو یہ حق زخمیوں کی مرہم پٹی اور مقاتلین کے لیے کھانا پکانے پر ہی ملتا۔ اس سے ایک طرف یہ معلوم ہوا کہ طبّی امداد کی فراہمی کو فقہائے کرام نے جنگ میں کردار ادا کرنے کے مفہوم میں شامل سمجھا ہے لیکن دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوا کہ فقہائے کرام اس فعل کو جنگ میں براہ راست حصہ لینے کے مترادف

نہیں سمجھتے۔

یہی بات ایک اور جزئیے سے قطعی طریقے سے ثابت ہوتی ہے۔ مسلمان مرد تاجر کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ دشمن کے مقاتلین کو امان دے کیونکہ تاجر دشمن کے علاقے میں جنگ کے لیے نہیں جاتا۔ اس کے برعکس جنگ میں طبّی امداد فراہم کرنے والی مسلمان خاتون دشمن کے مقاتلین کو امان دے سکتی ہے کیونکہ طبّی خدمت انجام دے کر وہ جسمانی جہاد کرتی ہے۔

امام شیبانی فرماتے ہیں: لو أمنت المرأة من أهل دار الاسلام أهل الحرب ، جاز أمانها ۔[22] (دار الاسلام سے تعلق رکھنے والی خاتون نے اگر دار الحرب کے لوگوں کو امان دیا تو یہ امان نافذ ہوگا۔) اس سلسلے میں امام سرخسی دو نظائر کا حوالہ دیتے ہیں:

> لما روي أن زينب بنت رسول الله ﷺ و ﷺ أمنت زوجها أبا العاص بن الربيع ، فأجاز رسول الله ﷺ أمانها - و عن أم هانئ رضى الله عنها قالت : أجرت حموين لى يوم فتح مكة، فدخل على رضى الله عنه يريد قتلهما ، وقال : اتجيرين المشركين ؟ فقلت : لا ، الا أن تبدأ بي قبلهما ، وأخرجته من البيت ، وأغلقت الباب عليهما ؛ ثم أتيت رسول الله ﷺ ؛ فلما رأني ، قال : مرحبا بأم هانئ فاختة ! قلت : ماذا لقيت من ابن أمي على ، أجرت حموين لى ، وأراد قتلهما - فقال ﷺ : ليس له ذلك ، وقد أجرنا من أجرت، وأمنا من أمنت ۔[23]

(کیونکہ روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابو العاص بن الربیع رضی اللہ عنہ کو امان دی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے نافذ فرمایا۔ اسی طرح ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ فتحِ مکہ کے دن میں نے اپنے سسرالی رشتہ داروں میں دو افراد کو امان دی تو اتنے میں علی رضی اللہ عنہ انہیں قتل کرنے کے ارادے سے داخل ہوئے اور مجھے کہا کہ کیا تم مشرکین کو پناہ دے رہی ہو؟ میں نے کہا: تم مجھے مارنے سے پہلے انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ پھر میں نے علی رضی اللہ عنہ کو گھر سے نکالا اور ان دونوں پر گھر کا دروازہ باہر سے بند کرکے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئی۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: مرحبا اے فاختہ ام ہانی! میں نے آپ کو وہ ساری بات بتادی جو مجھے اپنے ماں جائے کے ساتھ پیش آئی تھی کہ میں نے اپنے سسرالی رشتہ داروں کو پناہ دی تو علی رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس کے پاس یہ اختیار نہیں ہے؛ ہم نے اسے پناہ دی جسے تم نے پناہ دی اور ہم نے اسے امان دیا جسے تم نے امان دیا۔")

اس کے بعد قانونی اصول کی توضیح امام سرخسی نے جن الفاظ میں کی ہے وہ نہایت اہم ہیں اور مسئلۂ زیرِ بحث میں برہانِ قاطع کی حیثیت رکھتے ہیں: ولانها من أهل الجهاد ، فانها تجاهد بمالها ؛ وكذلك بنفسها ، فانها تخرج لمداواة المرضى والخبز ؛ وذلك جهاد منها ۔[24] (اس کی قانونی اصل یہ ہے کہ خاتون جہاد کی اہلیت رکھتی ہے (اس لیے امان بھی دے سکتی ہے) کیونکہ وہ مال کے ذریعے جہاد میں شرکت کرتی ہے، بلکہ وہ نفس کے ذریعے بھی جہاد میں شریک ہو سکتی ہے کیونکہ جب وہ مریضوں کی دیکھ بھال اور کھانا پکانے کے لیے میدانِ جنگ میں جاتی ہے تو یہ اس کی جانب سے جہاد میں شرکت ہے۔)

اس سے صراحتاً معلوم ہوا کہ فقہائے کرام طبّی امداد کی فراہمی کو "جہاد" قرار دینے کے باوجود اسے "قتال" نہیں مانتے۔ بہ الفاظِ دیگر طبّی امداد کی فراہمی کو "جنگ میں براہِ راست حصہ لینے" کے مفہوم میں شامل نہیں سمجھا جاسکتا۔ پس

اسلامی قانون کی رو سے مقاتلین کو طبّی امداد فراہم کرنے والے افراد پر حملہ ناجائز ہے کیونکہ جنگ میں اپنا مخصوص کردار ادا کرنے کے باوجود قانونی لحاظ سے وہ مقاتلین نہیں ہیں۔

غدر اور خدعہ میں فرق اور طبّی عملے اور سہولیات کے لیے خطرے کا تدارک

شریعتِ اسلامیہ نے سختی سے غدر (عہد شکنی) کی ممانعت کی ہے اور کئی آیات و احادیث اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں جن کی بنا پر فقہا نے قرار دیا ہے کہ غدر ان ناجائز کاموں میں ہے جس کی رخصت اضطرار کی حالت میں بھی نہیں ملتی۔ اس کے متوازی ایک اہم قاعدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگی چالوں کی اجازت دی ہے اور جنگ کو خدعۃ (چال چلنا) کا نام دیا۔

یہاں پہلا اہم قانونی سوال یہ ہے کہ کیا خدعہ سے مراد یہ ہے کہ جنگ میں جھوٹ بولنا جائز ہے؟ ایک روایت میں بظاہر تین مواقع پر جھوٹ بولنے کی رخصت ذکر کی گئی ہے جن میں ایک جنگ کا موقع ہے۔ تاہم امام سرخسی اس روایت کی توضیح میں کہتے ہیں:

> و أخذ بعض العلماء بالظاهر فقالوا: يرخص في الكذب في هذه الحالة- و استدلوا بحديث أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال: لا يصلح الكذب الا في ثلاث: في الصلح بين اثنين، و في القتال، و في ارضاء الرجل أهله- و المذهب عندنا: أنه ليس المراد الكذب المحض، فان ذلک لا رخصة فيه - و انما المراد: استعمال المعاريض- و هو نظير ما روي أن ابراهيم صلوات الله و سلامه عليه كذب ثلاث كذبات، و المراد أنه تكلم بالمعاريض، اذ الأنبياء عليهم صلوات الله و سلامه معصومون عن الكذب المحض- و قال عمر رضي الله عنه: ان في المعاريض لمندوحة عن الكذب- و تفسيرهذا ما ذكره محمّد رحمه الله في الكتاب و هو: أن يكلم من يبارزه بشيء و ليس الأمر كما قال، و لكنه يضمر خلاف ما يظهره له-[25]

(بعض علما نے ظاہری معنی کو دیکھتے ہوئے کہا کہ اس حالت میں جھوٹ بولنے کی رخصت ہے، اور اس کے لیے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جھوٹ جائز نہیں مگر تین مواقع پر: دو افراد کے درمیان صلح کے لیے، جنگ کے دوران میں اور کسی شخص کے اپنی بیوی کو منانے کے سلسلے میں۔ ہمارے نزدیک مذہب یہ ہے کہ یہاں مراد محض جھوٹ نہیں ہے کیونکہ اس میں کوئی رخصت نہیں ہے۔ (وہ کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔) بلکہ مراد ہے ذو معنی الفاظ کا استعمال۔ اس قسم کے استعمال کی مثال وہ روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوۃ و السلام نے تین مواقع پر جھوٹ بولا۔ اس روایت میں بھی مراد ذو معنی الفاظ کا استعمال ہے کیونکہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام محض جھوٹ کے بولنے سے معصوم ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ذو معنی کلام کے ذریعے جھوٹ سے بچا جاسکتا ہے۔ خدعہ کے لفظ کی تفسیر امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب (سیر کبیر) میں یہ ذکر کی ہے کہ: جنگ کے لیے مد مقابل آنے والے سے کوئی بات کہی جائے جس سے وہ معاملے کو یوں سمجھ بیٹھے جیسے وہ حقیقت میں نہیں ہے، لیکن یہ بولنے والا اس اصل حقیقت کو دل میں چھپائے رکھے۔)

جہاں تک ایسی چال کا تعلق ہے جس سے غدر، عہد شکنی یا اعتماد شکنی لازم آتی ہو تو وہ جائز خدعہ میں شامل

نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اسلامی قانون کا مسلمہ اصول ہے کہ اگر جنگ میں کسی ایک مسلمان غازی نے بھی مخالفین میں کسی کو امان دیا تو وہ شخص یا اشخاص حملے سے محفوظ ہوگئے۔ اس کے بعد ان پر حملہ کرنا ناجائز ہوگا۔ اب اگر کسی مسلمان نے لڑائی کے دوران میں مخالفین کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا اور زیر لب کہا کہ تم یہاں آؤ تو میں تمھیں قتل کردوں، اور اس اشارے پر اعتماد کرتے ہوئے مخالفین مسلمانوں کی طرف آئے تو ان پر حملہ ناجائز ہوگا۔ اشارہ کرنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ تو اس نے ایک چال چلی تھی کہ دشمن کسی طرح حملے کی زد میں آجائے۔ پس یہ خدعہ نہیں بلکہ غدر ہے۔ یہ اصول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کی وضاحت میں امام سرخسی کہتے ہیں: فان ظاهر اشارته أمان له، و قوله: ان جئت قتلتک، بمعني النبذ لذلک الأمان- فما لم يعلم بالنبذ کان آمناً۔ [26]

(کیونکہ اس کا ظاہری اشارہ دوسرے فریق کے لیے امان ہے اور اس کا قول کہ 'اگر تم میرے قریب آئے تو میں تمھیں قتل کردوں گا' اس امان کے خاتمے کے مترادف ہے۔ پس جب تک دوسرے فریق کو امان کے خاتمے کا علم نہ ہو اسے امان حاصل رہے گا۔)

اسی طرح یہ ناجائز ہے کہ کوئی مسلمان خود کو مسلمانوں کے سفیر کے طور پر پیش کرے اور پھر جب دوسرا فریق اس کی جانب سے مطمئن ہوکر اسے قریب آنے دے تو یہ اس پر حملہ کرے۔ یہ کام ناجائز ہوگا خواہ یہ مسلمان درحقیقت سفیر ہو یا اس نے بطور جنگی چال خود کو سفیر بنا کر پیش کیا ہو۔ یہ جنگی چال نہیں بلکہ غدر ہے۔ امام شیبانی نے تصریح کی ہے:

و لو أن رهطاً من المسلمين أتوا أول مسالح أهل الحرب فقالوا: نحن رسل الخليفة، و أخرجوا کتابا يشبه کتاب الخليفة، أو لم يخرجوا، و کان ذلک خديعة منهم للمشرکين، فقالوا لهم: ادخلوا، فدخلوا دار الحرب، فليس يحل لهم قتل أحد من أهل الحرب، و لا أخذ شيء من أموالهم ماداموا في دارهم- [27]

(اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ دشمنوں کے پہلے مورچوں کی طرف آکر ان سے کہے کہ ہم اپنے حکمران کے سفیر ہیں، پھر خواہ وہ سفارت کی دستاویز پیش کریں جو مسلمانوں کے حکمران کی دستاویز سے مشابہ ہو، یا ایسی کوئی دستاویز پیش نہ کریں، اور اس طرح وہ مشرکین کے ساتھ چال چل رہے ہوں (درحقیقت وہ سفیر نہ ہوں)، تو اگر مشرکین نے انھیں اپنے علاقے میں داخل ہونے کی اجازت دی تو داخل ہونے کے بعد جب تک وہ ان کے علاقے میں ہوں گے ان کے لیے جائز نہیں ہوگا کہ اس علاقے کے لوگوں میں کسی کو قتل کریں یا ان کا مال چھینیں۔)

اس حکم کی وضاحت میں امام سرخسی نے جو کچھ کہا ہے اس کے لفظ لفظ پر ڈیرے ڈالنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس تشریح سے جو اہم قانونی اصول سامنے آتے ہیں ان سے عصر حاضر کی جنگی چالوں کے متعلق نہایت واضح رہنمائی حاصل ہوتی ہے:

لأن ما أظهروه لو کان حقاً کانوا في أمان أهل الحرب، و أهل الحرب في أمان منهم أيضاً، لا يحل لهم أن يتعرضوا لهم بشيء- هو الحکم في الرسل اذا دخلوا اليهم کما بينا، فکذلک اذا أظهروا ذلک من أنفسهم، لأنه لا طريق لهم الي الوقوف علي ما في باطن الداخلين حقيقةً وانما يبني الحکم علي ما يظهرون، لوجوب التحرز عن الغدر- و هذا لما بينا أن أمر الأمان شديد، و القليل منه يکفي- فيجعل ما أظهروه بمنزلة الاستئمان منهم- و لو استأمنوا فأمنوهم وجب لهم أن يفوا لهم- فکذلک اذا ظهر ما

هو دليل الاستئمان-[28]

(کیونکہ جو کچھ انہوں نے ظاہر کیا (کہ وہ سفیر ہیں) اگر یہ حقیقت ہوتی تو وہ دشمن قوم کی جانب سے امان میں ہوتے اور دشمن قوم بھی ان کی جانب سے امان میں ہوتی کیونکہ ان مسلمانوں کے لیے جائز نہ ہوتا کہ دشمن کو کسی قسم کا جانی یا مالی نقصان پہنچائیں۔ سفیر جب ان کے علاقے میں داخل ہوں تو ان کے لیے حکم یہی ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے واضح کیا ہے۔ پس یہی حکم اس صورت میں بھی ہوگا جب وہ خود کو سفیر ظاہر کریں کیونکہ جو کچھ ان داخل ہونے والوں کے دلوں میں چھپا ہوا ہے اسے جاننے کا کوئی ذریعہ دوسرے فریق کے پاس نہیں ہے۔ پس حکم کی بنا ان کے ظاہر پر کی جائے گی کیونکہ غدر سے بچنا واجب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے، جیسا کہ ہم نے واضح کیا ہے، کہ امان کا معاملہ انتہائی سنگین ہے اور اس کی خلاف ورزی کے لیے معمولی بات بھی کافی ہوتی ہے۔ پس جو کچھ انہوں نے ظاہر کیا اس کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ گویا انہوں نے دوسرے فریق سے امان طلب کیا۔ پس اگر ان کے امان طلب کرنے پر وہ انہیں امان دیتے تو ان کے لیے لازم ہوتا کہ اس کی پابندی کرتے (اور ان پر حملہ نہ کرتے)۔ پس یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب ان کی جانب سے ایسا طرز عمل سامنے آیا جو امان طلب کرنے کے برابر ہے۔)

انہی اصولوں پر آگے امام شیبانی نے قرار دیا ہے کہ اگر مسلمان تاجر کے روپ میں جا کر انہیں یہ تاثر دیں کہ وہ تو لڑنے نہیں آئے تو ان کے لیے جائز نہیں ہوگا کہ وہ ان پر حملہ کریں۔[29]

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح بین الاقوامی قانون نے اس قسم کے حملوں کو Perfidy قرار دے کر جنگی جرم قرار دیا ہے اسی طرح اسلامی قانون کی رو سے بھی اس قسم کے حملے قطعی طور پر ناجائز ہیں اور ان کو جائز جنگی چال قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگر اسلامی قانون نے اس قسم کے حملوں کو ناجائز نہ قرار دیا ہوتا تب بھی مسلمانوں کے لیے یہ حملے ناجائز ہوتے کیونکہ ان حملوں کو جنیوا معاہدات کے ذریعے ناجائز قرار دیا گیا ہے اور، جیسا کہ اوپر تفصیل سے واضح کیا گیا، آداب القتال کے لیے کیے گئے اس طرح کے معاہدات کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہے۔ تاہم یہاں امام شیبانی کی تصریحات اور امام سرخسی کی توضیحات سے معلوم ہوا کہ اصلاً بھی اسلامی قانون کا اس معاملے میں موقف وہی ہے جو بین الاقوامی قانون کا ہے۔ بلکہ بسا اوقات کوئی چال بین الاقوامی قانون کے تحت جائز ہو تب بھی اسلامی قانون کے تحت وہ ناجائز ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر دشمن کو اپنی پوزیشن یا حملے کے ارادے کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا رکھنا بین الاقوامی قانون اور اسلامی قانون دونوں کی رو سے جائز جنگی چال ہے۔ البتہ بین الاقوامی قانون کی رو سے دشمن کو غلط اطلاع دینا (Misinformation) جائز ہے اور اسلامی قانون کی رو سے یہ صرف اس صورت میں جائز ہوسکتا ہے جب اس کے لیے جھوٹ نہ بولنا پڑے بلکہ "معاریض الکلام" سے کام لیا جائے۔

جب طبّی عملہ جنگی قیدی بن جائے

عہد رسالت میں بھی اس کی مثال ملتی ہے کہ کفار نے کسی مسلمان کو اس شرط پر رہا کیا ہو کہ وہ ان کے خلاف نہیں لڑے گا۔ ایسی صورت میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس شرط پر عمل کی تلقین کی۔ سیدنا حذیفہ بن یمان اور ان کے والد رضی اللہ عنہما اسی بنا پر غزوۂ بدر میں شرکت نہیں کرسکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: انصرفا، نفي لهم بعهدهم، و نستعين الله عليهم-[30] (تم دونوں جاؤ۔ ہم ان کے ساتھ کیے گئے عہد کی پابندی کریں

گے، اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد چاہیں گے۔)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی بعض اوقات مشرکین کے قیدیوں کو بعض شرائط پر رہا کیا۔ مثال کے طور پر ابو عزہ شاعر کو اس شرط پر غزوۂ بدر میں رہا کیا گیا تھا کہ وہ آئندہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی نہیں کرے گا۔ تاہم اس نے اس شرط پر عمل نہیں کیا تو غزوۂ احد میں دوبارہ گرفتار ہونے پر اسے سزائے موت دے دی گئی۔ معاصر بین الاقوامی قانون کے تحت اس قسم کی مشروط رہائی کو Parole کہا جاتا ہے۔جنگ کی صورت میں ہر فریق کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے مقاتلین کو آگاہ کرے کہ وہ کن شرائط پر Parole قبول کرسکتے ہیں۔ جب کسی مقاتل کو Parole پر رہا کیا جائے تو اس کی ریاست اسے اس کی خلاف ورزی پر مجبور نہیں کرے گی۔[31]

اسی طرح جنگ میں کسی غیر جانبدار ریاست میں اگر کوئی مقاتل پایا جائے تو اسے محبوس کرنے کے بجائے اس شرط پر رہا کیا جاسکتا ہے کہ وہ بغیر اجازت کے اس ریاست کے حدود سے باہر نہیں نکلے گا جب تک جنگ ختم نہ ہو۔[32]

اگر قیدیوں سے ان کی طاقت سے زیادہ مشقت لی جارہی ہو جس مقصود یہ ہو کہ ان کو سسکا سسکا کر مار دیا جائے تو کیا قیدی اپنے اوپر مسلط لوگوں کے خلاف لڑ سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ہر دو صورتوں میں موت کا امکان ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں اضطرار اور اکراہ سے متعلق قواعد عامہ کا اطلاق ہوگا۔ چنانچہ اولاً اسے دیکھا جائے گا کہ کہیں دشمن پر حملہ کرکے قیدی خود اپنی موت کا باعث تو نہیں بن جاتا؟ اگر ہر دو صورتوں میں موت کا امکان غالب ہو تو پھر قیدی کے لیے جائز ہوگا کہ ان پر حملہ کرے:

اگر اس طرح واقع ہونے والی موت مشقت کی موت کی بہ نسبت آسان ہو؛ یا

اگر اس طرح وہ دشمن کو سخت مادی یا نفسیاتی نقصان پہنچا سکتا ہو۔

یہاں فقہا یہ مسئلہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ کیا مسلمان قیدی دشمن مقاتلین کو زہر دے سکتا ہے؟ولو قال الأسير لهم: أنا أعلم الطب ، فسألوه أن يسقيهم الدواء ، فسقاهم السم ، فقتلهم ؛ فإن سقى الرجال منهم ، لم يكن به بأس لأن ذلك نكاية فيهم-[33]

(اگر مسلمان قیدی نے ان سے کہا کہ میں طب کا علم رکھتا ہوں اور انہوں نے اس سے کہا کہ ہمیں دوا دو تو اس نے دوا کے بجائے انہیں زہر دیا تو اگر اس نے زہر مقاتلین کو دیا ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ یہ دشمن پر سخت وار ہوا۔)

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ فقہا اس صورت میں مسلمانوں کو غدر کی اجازت دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں اس بات پر توجہ رہے کہ یہ مسلمان قیدی تھا اور اسلامی قانون کی رو سے قیدی کسی کو امان نہیں دے سکتا۔ دوسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یہ مسلمان مقاتل تھا اور قتال میں حصہ لینے کی وجہ سے جنگی قیدی بنا تھا۔ اس لیے دشمن کو معلوم تھا کہ انہیں اس سے خطرہ ہے ۔ اس کے باوجود دشمن نے اگر کوتاہی کی ہے تو ان کا اپنا قصور ہے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ اگر یہ قیدی اصلاً مقاتل نہ بھی ہو تو زہر دینے کی کوشش کے بعد وہ مقاتل بن جاتا ہے کیونکہ اس طرح وہ قتال میں براہِ راست حصہ لے لیتا ہے۔ پس اس صورت میں وہ اس قانونی تحفظ سے محروم ہو جاتا ہے جو غیر مقاتلین کو حاصل ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اگر یہ قیدی واقعی طبیب ہو تو کیا اسے دشمن کا علاج کرنا چاہیے یا اسے زہر دینا چاہیے تو یہ طبّی

اخلاقیات کا مسئلہ بن جاتا ہے جس پر بحث اس مقالے کے دائرے سے باہر ہے۔

خلاصۂ بحث

اس مقالے میں پیش کی گئی تحقیق سے معلوم ہوا کہ اسلامی شریعت میں غیر مقاتلین پر حملے کی جو ممانعت ہے اس کی رو سے ہر اس شخص پر حملہ ناجائز ہے جو جنگی کارروائی میں براہِ راست حصہ نہیں لیتا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مقاتل اور غیر مقاتل کا فرق جنس کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس امر پر ہے کہ کون جنگ میں براہِ راست حصہ لیتا ہے اور کون براہِ راست حصہ نہیں لیتا؟ عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں جنگ میں خواتین کئی طریقوں سے شرکت کرتی تھیں اور جب تک وہ باقاعدہ لڑائی میں حصہ نہ لیتیں ان پر حملہ ناجائز ہوتا خواہ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی رہی ہوں یا ان کے لیے کھانا پکانے اور دیگر انتظامات میں حصہ لیتی رہی ہوں۔ مزید برآں شریعت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ فعل کی نسبت مباشر کی طرف کی جاتی ہے اور متسبب کی طرف اسی وقت فعل کی نسبت کی جاسکتی ہے جب مباشر کی حیثیت متسبب کے ہاتھ میں محض ایک آلے کی ہو۔ ایک اور بنیادی اصول یہ ہے کہ فعل کی نسبت قریب ترین اور قوی ترین سبب کی طرف کی جاتی ہے۔ ان اصولوں کی روشنی میں قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ طبّی عملے اور سہولیات پر حملہ اسلامی قانون کی رو سے ناجائز ہے۔

هذا ما عندي ، و العلم عند الله -

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

References

[1] مقالہ نگار اپنے استادِ محترم جناب پروفیسر عمران احسن خان نیازی اور عزیز دوستوں جناب احمد خالد حاتم، محترمہ سعدیہ تبسم، جناب پیر خضر حیات اور جناب قاضی محمد طلال سلجوقی کا بے حد مشکور ہے جنھوں نے اس مقالے کی تیاری کے دوران میں اپنے تفصیلی تنقیدی مشوروں سے نوازا۔

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے بین الاقوامی ریڈ کراس کمیٹی کی تیار کردہ رپورٹ بعنوان : Health Care in Danger: January to December 2012۔ یہ رپورٹ کمیٹی کی ویب سائٹ www.icrc.org پر دستیاب ہے جہاں سے راقم نے اسے 2 ستمبر 2013ء کو ڈاون لوڈ کیا۔

[3] غیر مقاتلین کے متعلق اسلامی قانون کی جزئیات پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے : محمد منیر، احکام المدنیین فی الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون الدولی الانسانی : دراسۃ مقارنۃ (بحث لنیل درجۃ الماجستیر فی الشریعۃ والقانون بکلیۃ الشریعۃ والقانون، الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ، اسلام آباد، عام 1996م) ۔

Muḥammad Munir, *aḥkam al Madniyyeyeen fi al shary'at al Islamiyah wa al qanoon al duwaly al insany*,(Islamabd: MS Desertation, International Islamic University, 1996)

[4] 1949 کے جنیوا معاہدات کے ساتھ 1977 میں ملحق کیے گئے پہلے اضافی معاہدے کی دفعہ 50 میں "شہری" کی جو تعریف دی گئی ہے اس کی رو سے مقاتل کی تعریف سے خارج تمام افراد شہری کی تعریف میں داخل ہیں۔

[5] ابو بکر محمد بن ابی سہل السرخسی، شرح کتاب السیر الکبیر (بیروت : دار الکتب العلمیۃ، 1997) ، ج3، ص48۔

Muḥammad bin Abi sahal, *Sharaḥ kitab al Siyar al Kabir,* (Beirut: Dār al kutub al

ʻelmiyah, 1997), 3:48

[6] مثال کے طور پر دیکھیے : سنن ابی داود، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی قتل النساء۔

Sunan abi Dawood, Kitab al jihad

[7] علی بن احمد بن حزم الظاہری، المحلی بالآثار (القاہرۃ: ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، 1934) ، ج7، ص296-97۔

ʻAli bin Aḥmad , *Al muḥalla' be al āathar,* (Cairo: iDārat al ṭibaʻah al munyriyyah, 1934), 7:97-296

[8] برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی، الہدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی (بیروت : دار احیاء التراث العربی، ت ن) ، ج2، 380-81؛ موفق الدین عبداللہ بن محمد بن قدامۃ، المغنی علی مختصر الخرقی (القاہرۃ: دار المنار، 1367ھ) ، ج8، ص477۔

'aly bin abi bakar, *Al Hidayah,* (Beirut: Dār Iḥya' al turath al ʻarabi), 2:81-380
ʻabd allah bin Muḥammad, *Al Mughny,* (Cairo: Dār al Manar, 1367), 8:477

[9] محمد بن علی الشوکانی، نیل الاوطار من اسرار منتقی الاخبار (الدمام : دار ابن الجوزی، 1427ھ) ، ج14، ص113-119۔

Muḥammad bin 'aly, *Nyl al awṭar,* (Al Dmam: Dār Ibn e al Jowzi, 1427), 14:113-119

[10] اس اصول پر بحث کے لیے دیکھیے : ابو بکر محمد بن ابی سہل السرخسی، تمہید الفصول فی الاصول المعروف باصول السرخسی (لاہور : مکتبۃ مدنیۃ، 1981) ، ج1، ص132-151۔

Muḥammad bin abi sahal, *'uṣool al sarakhsy ,* (Lahore: Maktabah Madniyyah, 1981), 1:132-151

[11] سنن ابن ماجۃ، کتاب الجہاد، باب الغارۃ والبیات وقتل النساء والصبیان۔

Sunan Ibn e Majah, Kitab al Jihad

[12] علامہ شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی، سیرت النبی ﷺ (کراچی: دارالاشاعت، 1985) ، ج1، ص212۔

Shibly Nuʻmany and Sulyman Nadwy, *Seirat al Nabi (PBUH),* (Karachi: Dār al Ishaʻat, 1985), 1:212

[13] مباشر اور متسبب کے متعلق اصولوں کی وضاحت کے لیے اہم جزئیہ اکراہ کے تحت قتل کا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے : ابو بکر محمد بن ابی سہل السرخسی، المبسوط شرح مختصر الکافی (بیروت : دار الکتب العلمیۃ، 1997) ، ج24، ص86-90۔

Muḥammad bin abi sahal, *Al Mabsooṭ ,* (Beirut: Dār al kutub al ʻelmiyah, 1997), 24:86-90

[14] صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب قتل کعب بن الاشرف طاغوت الیہود؛ سنن ابی داود، کتاب الخراج والامارۃ والفیء، باب کیف کان اخراج الیہود من المدینۃ۔

Ṣaḥiḥ Muslim, Kitab al Jihad
Sunan abi Dawood, Kitab al Khiraj wa al 'emarate wa al fy'

[15] قرآن مجید نے سورۃ النساء میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کو طعن فی الدین، یعنی دین پر حملہ قرار دیا ہے (آیات 44-46) اور سورۃ التوبۃ میں قرار دیا ہے کہ طعن فی الدین کی صورت میں مسلمانوں کو جنگ کا حق حاصل ہو جاتا ہے (آیت 12) ۔

Surah al Nisā', Verse No. 44-46
Surah al Tawbah, Verse No. 12

[16] جمال الدین الزیلعی، نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ (القاہرۃ: مصطفی البابی الحلبی، ت ن) ، ج3، ص409۔

Jamal al Din al zylaʻey, *Naṣb al Rayah le aḥadith al hidayah,* (Cairo: Muṣtafa al baby al ḥalby), 3:409

[17] سیرت النبی ﷺ ، ج1، ص305-311۔

Seirat al Nabi (PBUH), 1:305-311

[18] معاصر بین الاقوامی قانون میں سیاسی حکمران یا فوجی افسر کی قانونی ذمہ داری کے متعلق اصولوں کی وضاحت کے لیے دیکھیے :

Maria L. Nybondas, Command Responsibility and Its Applicability to Civilian Superiors (The Hague: TMC A Asser Press, 2010).

[19] شرح کتاب السیر الکبیر، ج ا، ص 128۔

Sharaḥ kitab al Siyar al Kabir, 1:128

[20] ایضاً۔

Ibid.

[21] ایضاً، ج 3، ص 67۔

Ibid., 3:67

[22] المبسوط، ج 10، ص 47۔

Al Mabsooṭ, 10:47

[23] ایضاً۔

Ibid.

[24] ایضاً۔

Ibid.

[25] شرح کتاب السیر الکبیر، ج 1، ص 85-86۔

Sharaḥ kitab al Siyar al Kabir, 1:85-86

[26] ایضاً، ص 183۔

Ibid., 183

[27] ایضاً، ج 2، ص 66۔

Ibid., 2:66

[28] ایضاً، ص 67۔

Ibid., 67

[29] ایضاً، 68-69۔

Ibid., 68-69

[30] صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب الوفاء بالعہد۔

Ṣaḥiḥ Muslim, Kitab al Jihad

[31] مثال کے طور پر دیکھیے: 1907 کے پانچویں معاہدۂ ہیگ کی دفعہ 11۔

11th Sub Division of Law of Hague Contract in 1907

[32] 1949 کے تیسرے معاہدۂ جنیوا کی دفعہ 21۔

21st Sub Division of Law of Contract Geneva in 1949

[33] شرح کتاب السیر الکبیر، ج 4، ص 307۔

Sharaḥ kitab al Siyar al Kabir, 4:307